نظامِ سماوی کے بے نظیر فطری قوانین

از مولوی عبد الحکیم اعظمی متعلم دار الحدیث رحمانیہ

(۳)

ناظرین کرام! اس کے قبل دو قسطوں میں چند بنیادی عنوانات قائم کرکے یہ بتلا چکا ہوں کہ نظامِ خداوندی کے سارے زاویے امن وصلح کا پیام سنا رہے ہیں۔ بخلاف ارضی نظام کے کہ اس میں امن وصلاح کی بو تک بھی نہیں پائی جاتی۔ اب اس آخری قسط کو صرف دو عنوانوں کی وضاحت کے لئے مخصوص کرتا ہوں جو نظام خداوندی کے دفتر میں ایک خاص اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رزق کی ذمہ داری

رزق رسانی نظامِ ارضی ونظامِ سماوی کے درمیان ایک زبردست حدفاصل ہے جس سے دونوں آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آرہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بالکلیۃ روزی کی ذمہ داری نظامِ ارضی میں مفقود ہے اور نظامِ سماوی میں ملحوظ ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ انسانی ذمہ داری و مافوق البشریت ذمہ داری میں بڑا فرق ہے۔ انسان کے وضع کردہ نظام میں بھی کچھ زاویے ایسے ہوتے ہیں جو عالم کے اکل وشرب کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یقین مانئے کہ یہ ذمہ داری انسانوں سے تجاوز کرکے غیر انسان کے ایک متنفس حیوان تک بھی نہیں پہنچتی۔ انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات کی روزی کی ذمہ داری تو درکنار انسانوں کی قوت رسانی میں بھی استقصاء واستحصاء سے کام نہیں لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر سرمایہ داروں کے دماغ میں ذخیرۂ رزق کا سودا سما جاتا ہے تو غربا پر اس طور مصیبت آن پڑتی ہے کہ قوت لایموت کے ایک لقمہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ارضی نظام میں اتنا زور نہیں کہ وہ انسان کے ہر فرد کا لحاظ کرکے اس کی روزی کے مطابق سامانِ خوراک بروقت مہیا کردے۔ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ربع مسکون کے گوشے گوشے پر آسمانی قحط منڈلا رہا ہے۔ ساری دنیا بالعموم اور انسانی نظام کے پیروکار بالخصوص جدب وخشک سالی کے راگ دن رات الاپتے رہتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ حشر کا میدان قائم ہو رہا ہے اور سارے عناصر میدان حشر کی بھوک پیاس سے تنگ آکر رب العزت کا سہارا ڈھونڈ رہے ہیں۔ یہ ساری خلفشاریاں اس بیہودہ وناپاک نظامِ انسانی نے ہویدا کردی ہیں جس میں ساری دنیا کا گلا گھٹ رہا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے؟ ایک دربار ایسا بھی شب روز بازر رہتا ہے جس میں سارے عناصر یکساں قوت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اس دربار کے باریک بین ونکتہ سنج فرمانروا نے اپنی سلطنت کا نظام ایسا محیطِ کل بنایا کہ سارے

حیوانات کے اکل وشرب، قوت لایموت کی ذمہ داری لے لی۔ اب اس نظام میں کوئی جاندار وقت کی اس روزی سے جو سدِّ رمق کے لئے کافی ہو محروم نہیں ہو سکتا۔ اس نظام نے یومیہ قُوت کے بارے میں یہ مستحکم قانون مرکوز رفتر کر دیا کہ میر النظام ہر فرد حیوان تک یکساں روزی پہنچانے کا ضامن وکفیل ہے۔ ملاحظہ ہو اُس کا فرمان وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ہود۔۶) یعنی روئے زمین کے سارے متحرک ومتنفس جاندار کے رزق کا ذمہ خدا پر ہے۔

اس نظام کا یہ عالمگیر کمال ہے کہ اس نے جہاں دست وبازو رکھنے والوں کے لئے انتظامِ قوت کی راہیں کھول دیں وہاں بے دست وپا کے لئے بھی رزق کے دروازے مختلف صورت میں باز کر دئیے ہیں، جن دروازوں میں سے اگر ایک دشوار گذار ہے تو دوسرا اس سے آسان گذار وسہل۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ جاندار جو اپنے حصول رزق کی دن رات راہیں سوچتا ہو، غور وفکر کرتا ہو، اور جو احساسات سے اس قدر بے بہرہ ہو کہ اپنے وجود کا بھی علم نہ رکھتا ہو، دونوں کے دونوں ایک دسترخوان سے کھانا کھائیں اور ایک ہی حوض سے پانی پئیں۔ اسی نظام فیاض کا فیض ہے کہ بڑے بڑے ذی شان حیوانات سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے حیوانات تک اپنی مفروضہ روزی کا اکتساب کر کے آخری دم توڑتے ہیں۔ اگر کوئی انسان اپنی زندگی کو کسی عارض کی وجہ سے خیر باد کہدے تو یقین جانئے کہ اس نے اپنی قُوت کا ایک حبّہ بھی فاضل نہیں چھوڑا اور اگر ایک مور بے مایہ پس کر یا دب کر ہلاک ہو جائے تو سمجھئے کہ اس کی ساری روزی تمام ہو چکی تھی اس نے اپنے رزق کی پوری مقدار حاصل کر لی اور ختم بھی ہو چکی۔ الغرض اس پاک نظام نے تقسیمِ قُوت کا ترازو ایسا قائم کیا کہ اپنی زندگی میں ہر جاندار اپنی روزی کی معین مقدار پا لیتا ہے۔ یہ احاطۂ کلی واستقصاء بلیغ کسی مادّی نظام کے بس کا کام نہیں۔ اسے وہی نظام سنبھال سکتا ہے جو دنیاوی دماغ کی کاشت وپیداوار نہ ہو بلکہ اس ارفع واعلیٰ ذات کا وضع کردہ ہو جس کی نگاہیں کونین کے ہر ذرے پر حاوی ہوں۔ اسی کو کہا جاتا ہے سماوی اور فلکی نظام۔

آزادئ مذہب

واقعات شاہد ہیں کہ انسانی نظام کی قوت وسطوت کا فولادی پنجہ اپنے پہلے حملہ میں آزادئ مذہب کے گلے کو زخمی کرتا ہے۔ سب سے پہلے آزادئ دین کا خاتمہ جبر واستبداد کا فرض سمجھا جاتا ہے۔ فرعونِ مصر کے معرکۂ مبارزہ میں آنے والے جادوگروں نے جب اپنا کرتب نیچا پایا اور کلیمِ خدا کی حقانیت کا باطل سوز اعجاز ایک لکڑی کے ذریعہ دیکھ لیا تو سب نے بیک زبان اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هَارُوْنَ وَمُوْسٰی ہم سب ہارون وموسیٰ کے خدا پر ایمان لے آئے۔ یہ اُن کا کہنا تھا کہ فرعونِ مصر کے تلوے تلے غیظ وغضب کے انگارے دہک اُٹھے۔ اس کی آنکھوں میں رعبِ شہنشاہیت، جلال وجبروت کی وجہ سے خون اُتر آیا۔ اس کے انتقام کا سمندر لہریں مارنے لگا اور اپنی فوجی طاقت کے نشہ میں چور ہو کر اپنے سخت وشدید ہیکل پر زور دیا۔ پھر بولا۔ ہیش! اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ (۲۰ ۱۷) میرا فرمان شاہی صادر ہونے سے قبل ہی تم سب ربِّ ہارون وموسیٰ پہ ایمان لائے؟ اچھا تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر

تختۂ دار پر لٹکاؤں گا۔

ابراہیم خلیل اللہ نے بُت پرستی کی تکذیب کی۔ پتھر کے اصنام پر زبانی حملے کئے پھر آزر کے سامنے ناصحانہ انداز میں بڑی خیر خواہی کے ساتھ، اور نہایت رقّتِ قلبی کے ساتھ ایک وعظ بلیغ فرمایا۔ وعظِ ابراہیمی کی دلکش بیانی ملاحظہ فرمائیے:۔ یَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا۔ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۔ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا۔ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا (مریم آیت ۴۲-۴۵) "اے میرے باپ! ایسی چیزوں کو اپنا معبود کیوں بناتے ہو۔ جو دید و شنید کی قوت نہیں رکھتیں اور نہ ہی کوئی مطلب برآری کر سکتی ہیں۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایک نورِ ہدایت آیا ہے جس سے تم محروم ہو۔ میرے ساتھ ہو جاؤ۔ بڑی ہموار و سیدھی راہ کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ اے میرے عزیز باپ! (بواسطہ ان بتوں کے) شیطان کی پرستش نہ کرو۔ سچ بات ہے، شیطان خدا کا بڑا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم کو خدا کا عذاب نہ لاحق ہو جائے تو تمہارا شمار شیطان کے ساتھیوں میں ہونے لگے۔" اس دعوت کی نرم زبانی دیکھئے کہ ہر خطاب پر رشتۂ ابوّت کا اعادہ کرتے ہیں۔ تاکہ اخلاص و نیک نیتی کا یقین ہو جائے۔ کیونکہ بیٹا کتنا ہی سنگین طبیعت کا کیوں نہ ہو، باپ کی ہلاکت کا سامان مہیا کرنے پر رضامند خاطر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک نرم دل اور نیک خو نبی ہی تھے پھر کیسے باپ کو تاریکیوں کی طرف لیجا سکتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ نظامِ انسانی کی مذہبی بندش کو کیا کہوں، آزادیٔ مذہب سے اس کا تنافر و تباعد کیا کہئے کہ اس نرم گفتاری کے باوجود آزر کی آنکھوں سے غضب و انتقام کے شرارے اڑنے لگے۔ پیمانۂ صبر و سکون توڑ پھوڑ کر بیٹے ابراہیم سے یوں ہمکلام ہوا کہ "نہیں؟" "أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (مریم-۴۶) ابراہیم! میرے خداؤں سے تو اعراض کر رہا ہے؟ جان لے اگر تو اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو پتھروں سے تجھے کچل دوں گا اور ایک طویل زمانہ تک مجھ میں تجھ میں جدائی رہے گی۔

قارئین کرام! یہ صرف دو واقعے میں نے ذکر کئے ہیں۔ ورنہ دنیا کی تاریخ کے ایک ایک ورق پر انسانی نظام کے ایسے واقعات و قصص خونیں حروف سے لکھے ملتے ہیں۔ لیکن آزادیٔ مذہب کا یہ بے نظیر اعلان آپ کو صرف حکومتِ الٰہی و نظامِ خداوندی کے دربار سے ہی ملیگا لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ دینی معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے چھٹ کر ظہور میں آچکی ہے۔ دین یہ نہیں سکھاتا کہ تلواروں کی دھاروں اور تیر و سنان کی انی اور نوک کے ذریعے میری اشاعت کرو۔

حضرت عمرؓ فاروق کے جلال سے کسی کو انکار نہیں۔ اُن کے مذہبی شدائد اصحابِ رسول پر بہت گراں گذرتے تھے۔ لیکن وہ بھی بحکم بانیٔ نظام آزادیٔ مذہب کے زرّیں اصول پر سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دورِ خلافت میں

ملک شام فتح ہوتا ہے۔ وہاں کے عیسائیوں نے اسلام کے خلاف اس کے قبل بڑی بھیانک تحریکیں اٹھائی تھیں بڑے بڑے تکلیف دہ آوازے کسے تھے۔ لیکن باوجود اس کے اسلامی وغیر اسلامی مورخین وارباب سیر نے ایک بھی ایسے متنفس عیسائی کا سراغ نہ پایا جو جبراً و زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے بڑی بردباری سے کام لیا۔ کسی ایک پر کوئی سختی نہیں کی بلکہ عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی مرحمت فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قیصر کی رعایا اپنا وطن چھوڑ کر سرزمین شام کی طرف دوڑ پڑی تاکہ اسلامی خلیفہ کے زیر سایہ اپنی آزادی کی زندگی بسر کرے۔ یہ قدیمی تاریخ ہے۔ خود اپنے ہندوستان کا جائزہ لیجئے کہ اسلامی حکومت صدیوں اور قرنہا تک رہی لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم کی تعداد مسلمانوں کے اعتبار سے تین گنی زیادہ ہے اگر ان کا نظام اکراہ کی تعلیم دیتا تو آج ہندوستان میں ایک غیر مسلم بھی باقی نہ رہتا۔

یہی سب حقائق ہیں کہ جن کی وجہ سے ایک مستشرق مورخ ڈاکٹر آرنلڈ اسلامی دنیا کی سیر سے فارغ ہو کر جب اپنی کتاب دعوتِ اسلام لکھنے بیٹھتا ہے تو باوجودیکہ اس کے دل میں تعصب کا دریا لہریں مار رہا تھا۔ لیکن ان حقائق کو دیکھ کر جذبۂ تعصب مدفون ہو جاتا ہے اور مجبوراً اسے لکھنا ہی پڑتا ہے کہ مذہبی آزادی و مذہبی رواداری اسلام ہی کا شیوہ اور اسی کا طغرائے امتیاز ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آخر میں مخالفین کے دو اعتراضوں کو بھی حل کر دوں جو انہوں نے نظامِ خداوندی کی مذہبی آزادی پر کیا ہے تاکہ مافوق البشریت نظام کے نقطۂ نظر کا مطلع بالکل صاف ہو جائے۔

اعتراضِ اول مخالفین کہتے ہیں کہ نظامِ خداوندی کا دعویٰ آزادیٔ مذہب کے بارے میں غلط اور خلافِ واقع ہے۔ کیونکہ اسی کا حکم ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (توبہ۔۵) یعنی "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، اُن کو پکڑو اور گھیرو اور اُن کی گھات میں کمین گاہوں پر بیٹھے رہو" یہ حکم نظامِ خداوندی کا دعویٰ باطل کرنے کے لئے کافی وافی ہے۔

جواب لیکن جواباً عرض ہے کہ یہ اعتراض سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ نظامِ سماوی کا مکمل قانون قرآن مجید ہے۔ اور یہ کتاب ایک مکمل اور جامع قانون ہونے کی حیثیت سے زمانے کے مختلف حالات و مقتضیات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے متبعین کو ہر زمانہ کے مناسب حال احکام و ہدایات بتاتی ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیت کا تعلق زمانۂ جنگ سے ہے۔ یعنی جب باطل پرست قوتیں مجتمع ہو کر حق پرستوں پر دھاوا بول دیں۔ ان کو صفحۂ ہستی سے ملیامیٹ کر دینے کے درپے ہوں۔ انھیں دنیا میں جینے کا حق نہ دینا چاہتی ہوں تو پھر اُن کا مقابلہ کرو اور ہر مناسب تدبیر سے اُن کو شکست دینے کی کوشش کرو۔ الغرض اس آیت کا منشا یہ ہے کہ جب جنگ برپا ہو چکی ہو اور میدانِ کارزار گرم ہو تو پھر اس جنگ میں فتحیاب ہونے اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو کیا صورتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امن و صلح کی حالت میں بھی جہاں کہیں کسی

مشرک کو پاؤ قتل کردو۔ بلکہ اس نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جنگ کی حالت میں بھی اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تمہاری پناہ میں آنا چاہے تو اُسے پناہ دے دو۔ اس کو قرآن مجید کی تعلیمات سے آگاہ کردو اور جب وہ اپنے وطن مالوف کی طرف جانا چاہے تو بے کھٹکے پہنچا دو، اس کی جان و مال سے تعرض نہ کرو۔ ملاحظہ ہو اس کا صلح پسند مکمل حکم :-
وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ (توبہ - ۵)۔ غور کیجئے اگر اسلام کا معلم مشرکوں کو بے دریغ قتل کرنے کی تعلیم دیتا تو پھر پناہ طلب کرنے والوں کو پناہ دینے کا حکم کیوں دیتا۔

اعتراضِ دوم

مخالفین کہتے ہیں کہ اسلام جہاد کی تعلیم دیتا ہے، جہاد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور جہاد کا معنی ہی تو ہے کہ کافروں کو قتل کرو؟ پھر آزادئ مذہب کا اصول کہاں باقی رہا۔

جواب

لیکن یہ اعتراض بھی دراصل "اسلامی جہاد" کی حقیقت نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ اور یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ جہاد کے معنی ہی یہ ہیں کہ کافروں کو قتل کرو۔ جہاد کی اجازت کے متعلق قرآن مجید میں جو سب سے پہلی آیت نازل ہوئی ہے اُسی پر غور کرو تو حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اسلامی جہاد کا منشا کیا ہے۔ ارشاد ہے أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (حج - ۴۰) یعنی اب ان (مسلمانوں) کو جن پر ظلم کئے جا رہے ہیں۔ اور حملے ہو رہے ہیں جنگ کی اجازت دی جا رہی ہے تاکہ وہ اپنے اوپر سے ان مظالم کو دفع کرسکیں۔ آگے اُن کی مظلومیت کا نقشہ بیان کیا ہے الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ یعنی وہ مظلوم جو ناحق وطن سے بے وطن کئے گئے اور صرف اس "جرم" میں ان کو گھروں سے نکال دیا گیا کہ انھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے"

دیکھو یہ آیت بتاتی ہے کہ جہاد کی مشروعیت کے اسباب کیا تھے اور جہاد کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ جہاد مظلوموں کی حمایت اور ظلم کا انسداد ہے۔ حق پرستوں کو جب محض حق پرستی کے "جرم" میں خود اُن کے گھروں میں بھی رہنا دشوار کر دیا جائے تو پھر اس کی مدافعت کے لئے ان کے لئے جنگ کرنا ناگزیر ہے۔ جہاد کے اس معنی کے لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آزادئ مذہب کے اصول کے خلاف ہے؟ یہ تو عین اس اصول کی حمایت اور اس کی حفاظت ہے۔ بھلا کون سمجھ دار انسان کہہ سکتا ہے کہ نہ صرف اپنی جان، اپنے مال، اپنی عزت و ناموس کی خاطر، بلکہ ان حق پرستانہ اصولوں کی بقا کے لئے جو انسان کی دینی و دنیوی فلاح کے ضامن ہوں، ان کے مخالفین، نہ صرف مخالفین بلکہ ظالم مخالفین سے برسرپیکار ہونا فطری مقتضیات کے خلاف ہے؟ یہ تو عین فطرت اور تقاضائے عدل و انسانیت ہے۔ پس یہ کہنا کہ جہاد کے معنی خواہ مخواہ کافروں کو قتل کرنا ہے اور اُن کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا ہے جہالت ہی نہیں بلکہ ایک حد تک شرارت بھی ہے کیونکہ اسلام اگر غیر مسلموں کو زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کرنے کا حکم دیتا اور انسان کی مذہبی آزادی چھین لیتا تو فتح مکہ کے موقع پر آپ کی مٹھیوں میں سارے مشرکین کی گردنیں تھیں، چاہئے تھا کہ اہل مکہ کے سامنے دو امور، اسلام یا تلوار پیش کرکے اُن کا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن شہادت موجود ہے کہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ باقی صفحہ ۱۵ پر